

مقدمہ

تفسیر نظام القرآن

اللہ تعالیٰ کی توفیق و عنایت سے میں نے اپنی ”تفسیر نظام القرآن“ میں اس بات کی کوشش کی ہے کہ آیات قرآن کے باہمی تعلق کو واضح کروں اور قرآن مجید کی ایک ایسی سادہ و صاف تفسیر لکھوں جو ان تمام اختلافات سے بالکل پاک ہو جو ہمارے اندر عہد نبوت کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔ میں نے ہر آیت کا مفہوم اس کی مشابہ دوسری آیات کی روشنی میں متعین کیا ہے اور ہر سورت کے نظام کو اس کی تہ میں اتر کر اور اس کے سیاق کو سمجھ کر معلوم کرنے کی کوشش کی ہے۔ پھر اس جدوجہد سے جو کچھ سمجھ میں آیا ہے، اس کو عقل و نقل سے پوری طرح مدلل کیا ہے۔

نظم قرآن

میں پورے اطمینان قلب کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ نظم کی تلاش میں، میں نے کسی شخص کی پیروی نہیں کی ہے، بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی بصیرت میری رہنما رہی ہے، تاہم یہ خیال کرنا صحیح نہیں ہوگا کہ قرآن کے اندر نظم کی تلاش میں، میں تنہا ہوں۔ مجھ سے پہلے بھی علما کی ایک جماعت نے اس راہ میں کوششیں کی ہیں اور اس موضوع پر کتابیں بھی لکھی ہیں۔ چنانچہ علامہ سیوطی ”اتقان“ میں لکھتے ہیں:

”ابوحنیفان کے شیخ علامہ ابو جعفر بن زبیر نے خاص اس عنوان پر ایک کتاب تالیف کی ہے۔ اس کا نام ”البرہان فی

مناسبتاً ترتیب سور القرآن“ ہے۔ ہمارے ہم عصروں میں سے شیخ برہان الدین بقاعی نے بھی اپنی کتاب ”نظم الدرر فی تناسب الآی والسور“ میں نظم کو خاص طور پر پیش نظر رکھا ہے۔“ (۲۸۸/۲)

اس کے بعد علامہ سیوطی نے خود اپنی ایک کتاب کا بھی ذکر کیا ہے جس میں سورتوں اور آیتوں کی مناسبت کے علاوہ اعجاز قرآن کے مختلف پہلو بھی انھوں نے بیان کیے ہیں۔ اس سلسلہ میں وہ لکھتے ہیں کہ ”نظم کا علم ایک نہایت اعلیٰ علم ہے۔ اس کے اشکال کی وجہ سے علمائے اس سے بہت کم بحث کی ہے۔ امام فخر الدین رازی تہا شخص ہیں جنھوں نے اس کی طرف سب سے زیادہ توجہ کی ہے۔ انھوں نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ قرآنی حکمت کا بڑا حصہ ترتیب و نظم کے اندر چھپا ہوا ہے۔

خود مجھے امام رازی کی ”تفسیر کبیر“ میں، آیت وَكُوْجَعَلْنَاهُ قُرْآنًا اَعْجَمِيًّا الْاِيه (حم السجدہ ۴۱: ۴۲) کے تحت نظم قرآن سے متعلق ان کا مندرجہ ذیل بیان ملا:

”اس آیت کی شان نزول کے بارہ میں یہ روایت ہے کہ کفار نے اعتراضات کیا کہ قرآن مجید کسی عجمی زبان میں کیوں نہیں نازل کیا گیا تو یہ آیت اتری۔ میرے نزدیک اس طرح کی باتوں سے قرآن مجید پر سخت اعتراض لازم آتا ہے۔ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ قرآن میں ایسی آیتیں بھی ہیں جن میں باہم دگر کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ چیز قرآن مجید پر ایک بہت بڑے اعتراض کا دواؤہ ہوتی ہے۔ اس اعتراض کے ہوتے ہوئے قرآن کو ایک معجزہ ثابت کرنا تو الگ رہا، ہم اس کے ایک منظم کتاب ہونے کا بھی دعویٰ نہیں کر سکتے۔ میرے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ یہ سورہ شروع سے لے کر آخر تک بالکل مسلسل کلام ہے (اس کے بعد سورہ کے مضمون پر اجمالاً گفتگو کر کے فرماتے ہیں) ہر شخص جس میں انصاف ہوگا وہ دیکھ سکتا ہے کہ اگر آیت کی یہ تفسیر کی جائے جو ہم نے کی ہے تو یہ سورہ شروع سے لے کر آخر تک ایسے منظم کلام کی صورت میں ڈھل جاتی ہے جس میں ایک خاص موضوع پیش نظر رکھا گیا ہو اور یقیناً یہ تفسیر اس تفسیر سے کہیں بہتر ہوگی جو لوگ بیان کرتے ہیں۔“ (۵۶۹/۹)

اس کے بالمقابل ایک دوسری جماعت بھی ہے جس کا خیال ہے کہ قرآن مجید میں کسی قسم کا نظم نہیں ہے۔ چنانچہ شیخ عز الدین بن عبدالسلام کہتے ہیں:

”قرآن مجید، بیس سال سے کچھ زیادہ کی طویل مدت میں، مختلف حالات کے لیے گونا گوں احکام لے کر نازل ہوا، جس چیز کا نزول اس طرح ہوا ہو، اس میں کسی قسم کا ربط و نظم نہیں ہو سکتا۔“ (الاتقان فی علوم القرآن ۲۸۹/۲)

یہ علما کے دو مختلف مذہب ہیں اور ان دونوں مذہبوں کے حامی و موید ہمارے ہاں موجود ہیں۔ میرے نزدیک پہلا مذہب صحیح ہے اور میں اسی کا پیرو ہوں۔

اس تفصیل سے دو باتیں واضح کرنی چاہتا ہوں: ایک یہ کہ یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کے بارہ میں علما نے یک قلم سکوت اختیار کیا ہو، بلکہ ایک گروہ نے اس کی طرف نہایت اہتمام کے ساتھ توجہ کی ہے۔ دوسری یہ کہ یہ ایک تنگ راہ ہے جس پر چلنے والے تھوڑے ہیں اور یہ ایک ایسا مدفن خزانہ ہے جس کا بہت قلیل حصہ اب تک دریافت ہو سکا ہے۔ مجھ پر نظم کا دروازہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل سے، سب سے پہلے سورہ بقرہ اور سورہ قصص میں کھولا، اور اس کی طرف میری رہنمائی باہر سے نہیں، بلکہ خود قرآن کے اندر سے ہوئی۔ میں قرآن کی تلاوت کا ہمیشہ سے دل دادہ رہا ہوں اور اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہوں کہ میری سب سے زیادہ محبوب اور لذیذ کتاب یہی رہی ہے۔ میں سنا کرتا تھا کہ قرآن مجید چونکہ مختلف اوقات و حالات میں تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوا ہے، اس وجہ سے نظم کے اعتبار سے یہ سب سے زیادہ منتشر کتاب ہے، لیکن دوسورتوں میں مجھے نظم معلوم ہو گیا تو بقیہ سورتوں پر غور کرنے کی مجھے تحریک ہوئی۔ یہ اس زمانہ کا قصہ ہے جب میں ابتدائی زندگی کی تعلیمی مشغولیتوں میں منہمک تھا اور اس طرح کے کسی کام کے لیے بہت کم وقت بچا سکتا تھا۔ اس طرح دس سال سے کچھ زیادہ کی مدت بیت گئی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق نے میری دست گیری فرمائی اور میں نے قرآن پر ایک طرف سے، اس نقطہ نظر سے غور کرنا شروع کیا۔ سال بھر کی مدت میں اس کام کو میں نے تمام کیا۔ اس کے بعد یہ خیال ہوا کہ اپنے فکر و تدبر کا نتیجہ لوگوں کے سامنے پیش کر دوں، لیکن ایک عظیم ذمہ داری اور اس کے دور رس نتائج کے ہیبت ناک احساس نے مجھے ڈرا دیا۔ چنانچہ ایک طویل مدت تک میں قرآن مجید پر بار بار غور کرتا رہا اور اللہ تعالیٰ سے برابر دعا مانگتا رہا کہ وہ مجھے نفس کی شرارتوں اور جہل کی آفتوں سے محفوظ رکھے۔ ہر چند کہ حقیقت ایک عرصہ سے میرے سامنے بالکل واضح تھی، لیکن میری دلی خواہش یہی رہی کہ میں اس کے اظہار کی مسؤلیت اور اس کے خیر و شر کی ذمہ داریوں سے اپنے آپ کو بچالے جاؤں، لیکن مندرجہ ذیل اسباب نے مجھے مجبور کیا کہ میں اس ذمہ داری کے اٹھانے سے گریز نہ کروں:

۱۔ سب سے پہلی چیز جس نے مجھے اس ذمہ داری کے اٹھانے کے لیے مجبور کیا ہے، یہ ہے کہ میں نے دیکھا کہ تاویل کا بیش تر اختلاف نتیجہ ہے اس بات کا کہ لوگوں نے آیات کے اندر نظم کا لحاظ نہیں رکھا ہے۔ اگر نظم کلام ظاہر ہوتا اور سورہ کا عمود، یعنی مرکزی مضمون واضح طور پر سب کے سامنے ہوتا تو تاویل میں کسی قسم کا اختلاف نہ ہوتا، بلکہ سب ایک ہی جھنڈے کے نیچے جمع ہو جاتے اور سب کے منہ سے ایک ہی صدا بلند ہوتی، 'كَشَحْرَةٍ طَبِيَّةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرَعُهَا فِي السَّمَاءِ' (ایک بار آوردرخت کے مانند جس کی جڑ زمین کے اندر دھنسی ہوئی اور جس کی شاخیں فضا

میں پھیلی ہوئی ہوں) اور سارے مسلمان اللہ کی رسی کو متحد ہو کر تھام لیتے، جیسا کہ فرمایا ہے: **وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا** (اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑو اور منتشر نہ ہو)، لیکن جب صورت حالات اس کے بالکل برعکس ہو چکی ہے، اور لوگوں نے اس **حَبْلِ اللَّهِ الْمَتِينِ** کو جس کی تعریف یہ ہے کہ **لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ** الآیہ، ٹکڑے ٹکڑے سمجھ رکھا ہے تو اس اختلاف سے نجات کی کیا شکل ہو سکتی ہے؟ حالت یہ ہے کہ ہر فریق اپنے اپنے خیال کے مطابق قرآن کی تاویل کر رہا ہے اور کلام کو اس کی صحیح سمت سے ہٹا کر جس وادی میں چاہتا ہے، اس کو گھسیٹے پھرتا ہے اور نظم کلام، جو صحیح سمت کو متعین کرنے والی واحد چیز ہے اور جس سے اہل بدعت و ضلالت اور اصحاب تحریف کی کج رویوں کی اصلاح ہو سکتی ہے، وہ بیچ سے بالکل غائب ہے۔

۲۔ دوسری چیز جو اس کے لیے محرک ہوئی، وہ ملحدین کا اعتراض تھا۔ انھوں نے قرآن مجید پر بے نظمی کا الزام لگایا اور میں نے دیکھا کہ علمائے اسلام ان کے جواب میں بجائے اس کے کہ حق کا اظہار کرتے اور کتاب الہی سے اس الزام کو دفع کرتے، اسی قسم کی باتیں خود بولنے لگے جس قسم کی باتیں یہ ملحدین کہہ رہے تھے۔ **كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ** اور **وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا**، ایسی حالت میں میرے لیے ممکن نہ رہا کہ میں حق کو سرنگوں اور باطل کو سر بلند دیکھتا رہوں اور چپ چاپ بیٹھا رہوں، بالخصوص جبکہ میں پورے یقین کے ساتھ محسوس کر رہا تھا کہ ملحدین کا اعتراض بالکل غلط ہے۔

۳۔ علاوہ ازیں یہ امر ہر شخص کو معلوم ہے کہ نظم کلام، کلام کا ایک جز ہوا کرتا ہے، اگر اس کو چھوڑ دیجیے تو خود کلام کے مفہوم و معنی کا ایک حصہ غائب ہو جائے گا۔ ترکیب میں ایک زائد حقیقت ہوتی ہے جو ایک چیز کے متفرق اجزا میں الگ الگ نہیں ہوا کرتی۔ انگو اور شراب ایک ہی چیز نہیں ہے۔ اس سبب سے اگر کوئی شخص فہم نظام سے محروم رہ جائے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ خود کلام کی ایک بڑی حقیقت اس کی نگاہوں سے اوجھل رہ گئی اور عجب نہیں کہ وہ اہل کتاب کی اس صف سے جا ملے جس کا حال قرآن نے یوں بیان کیا ہے کہ:

فَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ فَأَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ ”پس انھوں نے ایک بڑا حصہ اس کتاب کا فراموش

۲ آل عمران ۳: ۱۰۳۔

۳ حم السجده ۳۱: ۴۲۔ ”جس کے اندر باطل نہ اس کے آگے سے داخل ہوتا ہے، نہ اس کے پیچھے سے۔“

۴ الکہف ۱۸: ۵۔ ”کیا ہی بڑی بات ہے جو ان کے مونہوں سے نکل رہی ہے۔“

۵ النساء ۴: ۱۴۱۔ ”اور اللہ کافروں کو ہرگز مسلمانوں پر گرفت کا کوئی موقع نہیں دے گا۔“

الْعُدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ. کر دیا جس کے ذریعہ سے ان کو یاد دہانی کی گئی تھی۔
(المائدہ: ۵: ۱۴) نتیجہ یہ نکلا کہ ہم نے ان کے درمیان قیامت تک کے لیے دشمنی اور جھگڑے کی آگ بھڑکادی۔“

مجھے اندیشہ ہوتا ہے کہ ممکن ہے یہ عداوت اور بغض، جس کی وبا آج مسلمانوں میں پھوٹ پڑی ہے، اسی بات کا نتیجہ ہو کہ ہم نے نظم قرآن کو نظر انداز کر کے خود قرآن کے ایک حصہ کو نظر انداز کر دیا ہے۔ اگر ایسا ہے تو اس فتنہ کا دینا مشکل ہے، اس کی وجہ، جیسا کہ اوپر بیان ہو چکی ہے، یہ ہے کہ جب کلام الہی کے معانی کے بارہ میں ہماری رائیں مختلف ہو جائیں گی تو لازماً ہماری خواہشیں اور ہمارے ارادے بھی مختلف ہو جائیں گے اور ہمارا حال وہی ہو جائے گا جو اہل کتاب کا ہوا۔ صرف یہ فرق ہوگا کہ ان کے لیے آخری بعثت اور آخری صحیفہ کے ذریعہ سے اصلاح حال کا موقع باقی تھا اور ہمارے لیے آخری چارہ کار صرف یہی قرآن ہے۔

یہ نظم کلام ہی کا تقاضا ہے کہ انسانی فطرت کے ضعف کے سبب سے، جیسا کہ ﴿لَقَدْ عَمِهْنَا إِلَىٰ اٰدَمَ مِنْ قَبْلِ الْاٰیةِ﴾ والی آیت میں بیان ہوا ہے، جو آیتیں بطور تخفیف کے نازل ہوئیں، ان کو اصل احکام کے پہلو میں جگہ دی گئی ہے۔ اس کی تصدیق اَللّٰهُنَّ حَقَّقَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا الْاٰیةِ سے ہوتی ہے۔ یہ آیت اپنے اصل سابق حکم کے پہلو میں رکھی گئی ہے۔ اسی طرح سورہ مزمل کی آخری آیت اس کی ابتدائی آیات کے بہت بعد نازل ہوئی ہے، لیکن رکھی وہیں گئی جہاں اس سلسلہ کے سابق احکام موجود تھے۔ یہی حال اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثِ اِلَىٰ نِسَائِكُمْ والی آیت کا ہے۔ اسی طرح آیت ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذُرُونَ اَزْوَاجًا الْاٰیةِ﴾ اس سلسلہ کے اصل احکام کے بعد بطور ترمیم نازل ہوئی اور غایت اہتمام کی وجہ سے، جیسا کہ آیت کی تفسیر کے سلسلہ میں ہم نے بالتفصیل بیان کیا ہے، پہلے ترمیم کے بعد رکھی گئی۔ اس طرح کی توضیحی و تشریحی آیات کے بعد بالعموم یہ آیت آیا کرتی ہے: ﴿كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰیٰتِهٖ لِلنَّاسِ﴾ (اور اسی طرح اللہ لوگوں کے لیے اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتا ہے)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ درحقیقت اس وعدہ کا ایفا ہے جو اللہ تعالیٰ نے سورہ قیامہ میں فرمایا ہے ﴿ثُمَّ اِنَّا عَلَيْنَا بَيِّنَاتٌ﴾ (پھر

۶ طہ: ۲۰: ۱۱۵۔ ”اور ہم نے آدم سے ایک بات کا اس سے پہلے عہد لیا تو وہ بھول گیا اور ہم نے اس میں ارادہ کی پختگی نہیں پائی۔“

۷ الانفال: ۸: ۶۶۔ ”اب اللہ نے تمہاری ذمہ داری ہلکی کر دی اور اس نے جان لیا کہ تم میں کچھ کمزوری ہے۔“

۸ البقرہ: ۲: ۱۸۷۔ ”تمہارے لیے روزوں کی راتوں میں اپنی بیویوں کے پاس جانا جائز کیا گیا۔“

۹ البقرہ: ۲: ۲۳۴۔ ”اور جو تم میں سے وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں۔“

۱۰ البقرہ: ۲: ۱۸۷۔

ہمارے اوپر اس کو (قرآن کو) واضح کرنا ہے) اور اس دعا کا جواب ہے جو سورہ طہ میں مذکور ہے کہ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا^{۱۲} (میرے پروردگار، میرے علم کو زیادہ کر)۔

ہمارا یہ استنباط قرآن سے تھا۔ بعینہ اسی بات کی تائید احادیث سے بھی ہوتی ہے۔ روایات میں آتا ہے کہ جب کوئی آیت اترتی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیتے کہ اسے فلاں سورت میں فلاں جگہ رکھا جائے اور وہ اسی جگہ رکھی جاتی۔ اسی طرح یہ بھی روایات میں آتا ہے کہ جب تمام ہو جاتی تو حضرت جبریل امین آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پوری سورہ از سر نو سنا دیتے۔ ہمارے نزدیک یہی وہ جمع کرنا اور پڑھنا ہے جس کا ذکر سورہ قیامہ میں ہوا ہے اور جس کی پیروی کا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا تھا۔

علاوہ ازیں یہ امر محتاج بیان نہیں ہے کہ جہاں تک قرآن مجید کی آیتوں کی ترتیب کا تعلق ہے، اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے اس بارہ میں امت کے اندر کوئی اختلاف نہیں ہے۔ مسلمانوں کے جس قدر فرقے ہیں، سب کے پاس قرآن مجید اسی ترتیب کے ساتھ موجود ہے۔

پھر نظم قرآن کی سب سے بڑی شہادت ان لوگوں کا علم و یقین ہے جن پر حسن ترتیب کے محاسن کچھ بے نقاب ہو گئے ہیں اور جنہوں نے ان حقائق کی کوئی تجلی دیکھ لی ہے جو نظم قرآن کے اندر ودیعت ہیں۔ یہ لوگ جانتے ہیں کہ کتاب اللہ اسرار و عجائب کا کیسا عظیم الشان خزانہ ہے جس کی کلید صرف نظم ہے۔ یہ چیز ان کے ذوق جستجو کو شہ دیتی اور ان کی طمانیت و بصیرت میں اضافہ کرتی ہے، اور وہ کوشش کرتے ہیں کہ اس مخفی خزانہ کو اجاگر کریں۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس سعی کو باامداد کرتا ہے اور جتنا ان کے مقدر میں ہوتا ہے، وہ اس میں سے پا جاتے ہیں۔ جو دروازے کھلتے جاتے ہیں ان کے لیے، وہ اللہ تعالیٰ کے شکر گزار ہوتے ہیں اور جو دروازے نہیں کھلتے، ان کو وہ اپنی قلت علم و نارسائی فہم پر محمول کرتے ہیں، کیونکہ معلوم ہے کہ کتاب الہی ایک سمندر ہے جس کے عجائب کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ کوئی شخص آفتاب کو اپنے احاطہ میں نہیں لے سکتا، اور نہ کوئی شخص قرآن کے معاملہ میں کبھی غلطی سے محفوظ ہو سکتا۔ لیکن یہ چیز ان کے شوق و طلب کی سرگرمی کو کمزور نہیں کرتی، بلکہ ان کا ذوق جستجو برابر مشتعل رہتا ہے، اور وہ اس محنت سے جتنا کچھ بھی پاتے ہیں، اس کی قدر کرتے ہیں۔ چنانچہ جس نے بھی اس علم میں سے کوئی حصہ پایا ہے، اس نے اس نعمت عظمیٰ پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا ہے۔ امام سیوطی اپنی کتاب میں نقل کرتے ہیں کہ:

”پہلے شخص جنہوں نے علم مناسبت (علم نظم) کو ظاہر کیا شیخ ابو بکر نیشاپوری ہیں۔ فقہ و ادب میں ان کا بڑا رتبہ تھا۔“

ان کے لیے ممبر رکھا جاتا جس پر بیٹھ کر وہ قرآن کی آیتوں کی شرح کرتے اور بتاتے کہ فلاں آیت فلاں آیت کے پہلو میں کیوں رکھی گئی اور فلاں سورت کے فلاں سورت کے ساتھ رکھنے میں کیا حکمت ہے، اور علمائے بغداد کی تنقیص کرتے کہ یہ لوگ نظم کے علم سے بالکل محروم ہیں۔“ (الاتقان فی علوم القرآن ۲/۲۸۸)

امام سیوطی نے ابن عربی کا بھی مندرجہ ذیل قول نقل کیا ہے:

”آیات قرآن کے باہمی تعلق کو اس طرح سمجھنا کہ وہ ایک مسلسل اور مربوط کلام کے قالب میں ڈھل جائیں ایک عظیم الشان علم ہے۔ صرف ایک عالم نے اس علم سے تعرض کیا ہے۔ اسی اصول پر اس نے پوری سورہ بقرہ کو منظم کر دیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل خاص سے ہم پر یہ دروازہ کھولا، لیکن ہم نے لوگوں کے اندر اس علم کے قدردان نہیں پائے۔ ساری دنیا دوں ہمتوں اور کابلوں سے بھری ہوئی ہے۔ پس ہم نے اس کو مہربندی رکھا اور اپنے اور اپنے خدا کے درمیان کے اس معاملہ کو اسی کی طرف لوٹا دیا۔“ (الاتقان فی علوم القرآن ۲/۲۸۸)

یہی حال امام رازی کا ہے، وہ بھی جگہ جگہ تفسیر میں اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ مخدوم مہمانی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کا موضوع ہی نظم ہے۔ انھوں نے اس نعمت کی عظمت کا جن لفظوں میں اعتراف کیا ہے اور اس کے مقابل میں اپنی بے مائیگی اور آلودگی کا جس درجہ ان کو احساس ہے، وہ ان کی تفسیر کا مطالعہ کرنے والوں سے مخفی نہیں ہے۔ وہ اس علم کو محض فضل الہی کی بخشش قرار دیتے ہیں اور اسی احساس کے ماتحت انھوں نے اپنی کتاب کا نام ”تبصیر الرحمان وتبصیر المنان“ رکھا ہے۔

جن لوگوں نے اس علم میں سے کوئی حصہ پایا، ان کی نگاہوں میں اس کا یہ درجہ ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ اعترافات ان کی زبانوں سے اسی وقت نکلے ہوں گے، جبکہ انھوں نے محسوس کر لیا ہوگا کہ قرآن مجید کی آیتیں ایک نادر اسلوب کے ساتھ مرتب ہیں۔ جیسا کہ شیخ ولی الدین ملوی نے کہا ہے:

”جو لوگ کہتے ہیں کہ قرآن مجید کی آیتوں میں اس لیے نظم نہیں تلاش کرنا چاہیے کہ وہ مختلف وقتوں میں مختلف حالات کے ماتحت نازل ہوئی ہیں، وہ غلط کہتے ہیں۔ ٹھیک بات یہ ہے کہ وہ نزول کے پہلو سے تو واقعات کے لحاظ سے ہیں، لیکن ترتیب کے پہلو سے بالکل مطابق حکمت ہیں۔“ (الاتقان فی علوم القرآن ۲/۲۸۹)

اور ظاہر ہے کہ جو شخص قرآن کے اندر اس کی مہک پارہا ہو، اس کے جلوے دیکھ رہا ہو، اور اس کو اپنے دونوں ہاتھوں سے چھو رہا ہو، وہ اس چیز کا انکار کیسے کر سکتا ہے؟ ہاں جس نے اس کا مزہ ہی نہ چکھا ہو، وہ اگر اس کا انکار کر دے تو وہ کچھ قابل الزام بھی نہیں۔

جو چیز مجھے لوگوں کے سامنے لانی ہے، اس کے متعلق اس طول بیان کی چنداں ضرورت نہیں تھی، لیکن میں نے یہ

تمہید اس لیے ضروری سمجھی کہ نظم کی جستجو تدریجی محتاج ہے اور اگر تمہارے دماغ میں یہ بات جاگزیں ہے کہ قرآن مجید میں نظم سرے سے ہے ہی نہیں تو اس راے کے ساتھ اس دشوار گزار وادی میں ایک قدم بھی اٹھانا مشکل ہوگا۔ ہر چیز تمہیں بے گانہ معلوم ہوگی اور اس میں سرکھپانا طبیعت پر بہت بار ہوگا۔

ایک بات تم، البتہ پوچھ سکتے ہو کہ اگر نظم ایسی ہی عظیم الشان اور کثیر المنفعت چیز تھی تو آخر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کے متعلق کیوں سکوت اختیار فرمایا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی توضیح کیوں نہیں فرمائی؟ ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ آیات کا موقع محل صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے بالکل واضح تھا۔ وہ تمام تر انہی کے حالات اور انہی کے پیش نظر معاملات سے متعلق تھیں۔ اگر ہم بھی اس مبارک زمانہ میں ہوتے تو ان کا نظم ہمارے لیے بھی بالکل واضح ہوتا۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے تفسیر بہت کم منقول ہے۔ زبان ان کی تھی، اسلوب ان کے تھے اور معاملات و حالات ان کے تھے۔ ان چیزوں میں سے کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جو ہمارے اور ان کے درمیان مشترک ہو۔ پھر نظم کے سمجھنے میں ہمارا اور ان کا حال یکساں رکھنے ہو سکتا ہے؟ لیکن اس نمایاں فرق کے باوجود یہ ضرور ہے کہ کلام کی لپیٹ اور اس کی تہوں کے اندر ایسے اشارات موجود ہوتے ہیں جو آگے کی طرف انگلی اٹھاتے رہتے ہیں اور اگر آدمی کند ذہن نہ ہو، بلکہ کلام کے تمام اطراف میں بھیل کر آگے بڑھنے کا عادی ہو تو یہ اشارات نظم کو بے نقاب کرتے رہتے ہیں۔

یہ ہم نے اپنی تفسیر کے بنیادی اصول نظم سے متعلق کہا ہے۔ اور یہاں اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔ آگے مقدمات تفسیر کے سلسلہ میں بعض مفید مطالب اشارات اور ملیں گے۔

